

منصب نبوت کا تشریحی مقام

عبدالرؤف ظفر*

میونہ تبسم**

اسلام کا مل ضابطہ حیات ہونے کے ناطے، فکری اساسیات اور عملی تعلیمات کا حسین امتزاج ہے۔ اس کی بنیادی تعلیمات جو کہ مسلمانوں کا دستور ہے قرآن میں موجود ہیں لیکن اسی دستور کی تشریح و توضیح کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ اور یہ ضرورت الہامی تشریح و توضیح یعنی سنت و حدیث کی شکل میں مہیا کی گئی ہے۔ چونکہ عملی دین کی دعوت کے لیے عملی نمونہ ایک طبعی و فطری ضرورت ہے لہذا یہ ضرورت رسول اللہ ﷺ کو بطور نمونہ پیش کر کے پوری کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۱)

بے شک نبی کریم کی ذات تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

مذکورہ بالا آیت نے دینی اور دنیاوی تمام امور میں رسول اللہ ﷺ کو اسوۂ قرار دیا اور اسے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے لیے اساس قرار دیا ہے۔ قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو بڑے ہی حکیمانہ انداز سے بیان کیا ہے۔ اور اگر کوئی طالب حق ان تمام مقامات کو پڑھے تو سنت کی حجیت اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی فریضیت میں اس کو کوئی شک باقی نہیں رہے گا۔

قرآن مجید میں کئی مقامات ایسے ہیں جن میں پیغمبر کی سنت اور اس کی تفسیر و تشریح کو قرآن مجید کی تفہیم اور عمل درآمد کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَلَا إِنِّي أَوْتِيتُ الْقُرْآنَ وَمَا يَعْدِلُهُ (۲)

یاد رکھو مجھے قرآن مجید بھی دیا گیا ہے اور اس کے برابر اتنا ہی اور بھی دیا گیا ہے۔

اس نکتہ کی مزید وضاحت کے لیے درج ذیل نکات پر دعوت غور و فکر دی جا رہی ہے۔

* چیئر مین شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا، پاکستان

** اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

۱۔ رسالت پر ایمان کا تقاضہ:

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک ایمان بالرسول ﷺ ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ (۳)

پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد خداوندی ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَّلَمْ يَفْرُقُوْا بَيْنَ اَخِيْدٍ مِّنْهُمْ اَوْ لِيْكَ سَوَفَ يُّؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (۴)

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کو مانیں اور ان کے درمیان تفریق نہ کریں ان کو وہ ضرور ان کے اجر عطا کرے گا اور اللہ بہت بخشش کرنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔

اس عقیدے کے انکار سے حقیقت ایمان میں فرق آتا ہے۔ انکار نبوت اور انکار فرامین نبوت میں کوئی خاص فرق نہیں۔ ایمان پیغمبر کے جسم اطہر پر نہیں لایا جاتا ارشادات پر ہی لایا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کی ذات وجود کو تو کافر بھی مانتے تھے لیکن آپ ﷺ کی نبوت کے منکر تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِنَّهُمْ لَا يَكْفُرُوْنَ بِكَ وَ لٰكِنَّا الظّٰلِمِيْنَ اٰلِيْتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (۵)

بے شک یہ لوگ تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم دراصل اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں۔

پس اس عقیدے کی رو سے سنت و حدیث پر ایمان و عمل کے بغیر مسلمان ہونا ممکن نہیں گویا سنت و حدیث باعث مسلمانی ہے (۶)۔

۲۔ قرآن نہمی اور رسالت:

سنت کے بغیر صحابہ کا کئی مقامات پر فہم قرآن میں بے بس رہنا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں جبکہ وہ اہل زبان اور آپ ﷺ کے شاگرد بھی تھے۔ اس کے برعکس قحط الرجال کے دور میں یہ عجمی اولاد علم حضرات اردو، عربی اور انگریزی ڈکشنریوں کی مدد سے فہم قرآن کے دعویدار بن بیٹھے ہیں۔

اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ اہل زبان یعنی صحابہ کرام کئی ایک مقامات پر قرآنی الفاظ کو سمجھنے کیلئے رسول اللہ سے رہنمائی لیتے ہیں۔ مثلاً آیت مبارکہ:

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَّلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاٰمَنُ وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (۷)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی ظلم کو نہ ملایا تو انہیں کیلئے امن ہے اور

وہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں)

اس آیت کے بارے میں روایات میں ملتا ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ہم میں سے کون ایسا ہوگا جو اپنے نفس پر ظلم نہیں کرتا۔ تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ یہاں 'ظلم' سے مراد عام ظلم نہیں بلکہ 'شُرک' مراد ہے۔ (۸)

اسی طرح آیت مبارکہ:

وَكُلُّوا وَأَشْرَبُوا حَتَّىٰ يَبْيَتْنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (۹)

اور تم کھاؤ و پیو یہاں تک کہ سفید دھاری، سیاہ دھاری سے جدا ہو جائے فجر کے وقت۔

اس آیت کے بارے میں روایات میں ملتا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بعض صحابہ (حضرت عدی بن حاتم) نے دو دھاگے، سفید و سیاہ اپنے ساتھ رکھ لیے اور اس وقت تک کھاتے پیتے رہتے تھے جب تک کہ ان دونوں دھاگوں میں ہر ایک کی سفیدی اور سیاہی واضح نہ ہو جاتی تھی۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے متنبہ فرمایا کہ اس آیت میں سیاہ اور سفید دھاری سے مراد فتن کی دھاریاں ہیں۔ (۱۴)

اس دور میں بھی جن حضرات نے حدیث و سنت کو چھوڑ کر قرآن کو سمجھنے کی کوشش کی تو وہ گمراہ ہوئے مثلاً سرسید نے معجزات کا انکار کر دیا۔ سرسید کی تفسیر کی کتاب میں جا بجا دیکھا جاسکتا ہے۔ حضرت موسیٰ کے دریا سے گزرنے کو وہ معجزہ نہیں کہتے بلکہ دریا کا مد و جزر کہتے ہیں۔ ان کے خیال میں جب موسیٰ گزرے تو جزر تھا اور جب فرعون گزرا تو مد تھا۔ غلام احمد پر ویز نے اطاعت رسول ﷺ سے مرکز ملت یعنی حکمران کی اطاعت مراد لی ہے۔

۳۔ ہدایت کا ذریعہ صرف اطاعت رسول ﷺ:

رسول کی اطاعت واجب ہوتی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ (۱۱)

ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لیے بھیجا ہے کہ اذنِ خداوندی کی بناء پر اس کی اطاعت کی جائے۔

آپ ﷺ کی اطاعت آپ ﷺ کی سنت و حدیث کی اتباع میں مضمر ہے۔ آپ ﷺ کی اتباع یعنی سنت و حدیث کی پیروی کیے بغیر صرف قرآن کی اتباع سے نجات ممکن نہیں۔ کیونکہ قرآن کتاب ہدایت ہے اور قرآن نے یہ راہنمائی فرمائی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی کو اپنے لیے مثالی اسوۂ حسنہ بنا لو۔ آپ ﷺ کی مکمل اتباع کرو اور آپ ﷺ کی تشریح اور فرامین کے سامنے سر تسلیم خم کر لو یعنی سنت کے بغیر محض قرآن کی اتباع کا دعویٰ باطل ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي

شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ
تَأْوِيلًا (۱۳)

اے ایمان والوں اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور ارباب حکم و اقتدار کی لیکن اگر ان سے کسی
معاملے میں تم میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کے سپرد کرو اگر تم اللہ اور آخرت پر یقین
رکھتے ہو یہ طریقہ انجام کار کے لحاظ سے بہتر ہے۔

قرآن مجید کی یہ آیت تین قسم کی اطاعتوں کا درس دیتی ہے۔ پہلی دو اطاعتیں مستقل ہیں جن میں تصادم کا
امکان نہیں۔ اس لیے وہاں اس خطرے کا اظہار ہی نہیں فرمایا گیا۔ تیسری اطاعت غیر مستقل اور عارضی قسم کی ہے۔
وہ اس لیے کہ ارباب اقتدار کوئی ایسی حرکت کر گزریں جو اللہ کی مرضی رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے منافی ہو۔
اس صورت میں ان کی اطاعت ختم ہو جائے گی۔ ارباب اقتدار کے مصالح کچھ ہی کیوں نہ ہوں ان کو اللہ اور اس کے
رسول ﷺ کے ساتھ نزاع کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اس لیے ان کی اطاعت عارضی ہے مستقل نہیں۔ اولی الامر
سے مراد خلافت البیہ ہو یا امارت شرعیہ یا مرکز ملت ان کی اطاعت عارضی ہوگی اور غیر مستقل۔ اس کے لیے یہ شرط
ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں رہیں اور ان سے نزاع نہ کریں۔ آیت کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ
قائد کا جو بھی نام رکھا جائے اس کی اطاعت اور وفاداری واجب ہے۔ بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا وفادار
ہو۔ خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق (۱۳)

خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائیگی۔

آپ ﷺ کی اطاعت کے متعلق ارشاد ربانی ہے

إِنْ طِيعُوهُ تَهْتَدُوا (۱۴)

اگر آپ لوگ اس پیغمبر کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔

مولانا محمد صادق سیالکوٹی ”ضرب حدیث“ میں لکھتے ہیں:

”چونکہ حضور انور ﷺ کی فرمانبرداری سے خدا کے حکموں کی تعمیل ہوتی ہے۔ اس لیے حضور ﷺ کی
اطاعت فرض کر دی ہے، تاکہ آپ ﷺ کی اطاعت سے اللہ کی مستقل اطاعت بجالائی جاسکے اور یہ
بات یاد رکھیں کہ حضور ﷺ کی فرمانبرداری کیے بغیر خدا کی اطاعت نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے جو
حضور ﷺ کی اطاعت کو ضروری نہیں جانتا وہ اطاعت البیہ بھی نہیں کر سکتا۔ پس اطاعت رسول ﷺ کا
منکر خدا کی اطاعت کا منکر ہے۔“ (۱۵)

۴۔ حدیث و سنت اور اسوۂ حسنہ:

رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل، عادات و اخلاق کی تمام شکلیں سنت و حدیث کے مستند ماخذوں کی شکل میں

موجود ہیں۔

چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۱۶)

البتہ تحقیق اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔

آپ ﷺ کا اسوہ اس قدر کامل ہے کہ حیات انسانی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں آپ ﷺ کا اسوہ نہ

ملتا ہو اور جمیع نوع انسان کے لیے اسوۂ حسنہ کی اتباع و پیروی میں ہی نجات و فلاح ہے اور اس اتباع کے لیے ہم

حدیث کے محتاج ہیں۔

سابقہ انبیاء کی اقوام نے ان کی سنتوں کو بھلا دیا۔ ان کا اسوہ بھی محفوظ نہیں اور جو کچھ کتاب کی صورت میں

باقی تھا اس میں بھی انہوں نے تحریف کر ڈالی۔ اب صورت یہ ہے کہ ان کے ہاں صرف نعرے اور اعلانات ہیں

عملدرآمد نہیں مثلاً عیسائی کہتے ہیں کہ ہمیں دو اصولوں کی تعلیم دی گئی اور ہم دو ہی اصولوں کے علمبردار ہیں اور

عیسائیوں کی کتابیں، عدل و انصاف اور انسانیت سے محبت کے درس سے بھری ہوئی ہیں لیکن یہ بات کہ محبت

انسانیت سے کیا مراد ہے؟ اس پر عمل درآمد کیسے کیا جائے گا؟ عدل و انصاف کی تعریف کیا ہے؟ اس کے عملی تقاضے

کیا ہیں؟ جب تک عملی تشکیل کر کے لوگوں کی رہنمائی نہ کی جائے گی کہ عدل کس کو کہتے ہیں؟ اس وقت تک عدل کا

لفظ بے معنی ہے۔ ایک اور مثال سے یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی انجیل میں ہے:

”اگر کوئی تمہارے دائیں گال پر تھپڑ مارے تو بائیں گال بھی سامنے کر دو“۔ (۱۷)

سوال یہ ہے کہ اس اصول پر کہاں عمل درآمد کریں گے اور کہاں نہیں؟ جب تک یہ تفصیل سامنے نہ ہو یہ

نعرہ محض ایک بے معنی بات ہے۔ حضرت عیسیٰ کی سنت ان لوگوں نے محفوظ نہیں رکھی گم کر دی۔ لہذا ان کے پاس

سوائے اس مبہم نعرے کے نہ صرف یہ کہ اسکی عملی تصویر موجود نہیں ہے بلکہ ان کی تاریخ عملاً اسی سے متضاد ہے۔

جبکہ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کی سنت میں وحی الہی کی ایک عملی شکل فراہم کی گئی ہے۔ ایک جیتا جاگتا

عملی نمونہ ہمارے سامنے رکھ دیا گیا ہے جس میں وحی الہی کے ایک حکم، ایک لفظ اور ایک ایک حرف کی

پوری نقشہ کشی کر دی گئی ہے کہ اس پر عمل درآمد ایسے ہوگا۔ اگر سنت کا یہ کارنامہ نہ ہوتا تو قرآن مجید کے یہ اصول

صرف نظری بیانات اور خوشگوار اعلانات ہوتے۔ قرآن نے جو نظریہ پیش کیا رسول اللہ ﷺ نے عملی طور پر کر کے

دکھایا۔ مثلاً قرآن کریم کا نظریہ ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ (۱۸)

اور چور خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہے۔

قرآن مجید کے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ بنت قیس پر چوری کی سزا جاری کر دی بعض نے سفارش کی تو فرمایا:

والذی نفس محمد بیدہ لو سرقت فاطمہ بنت محمد لقطعتم بدھا۔ (۱۹)

اور قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ نے بھی چوری کی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ بھی لازمی کاٹ دیتا۔

اس طرح جب آیت مبارکہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (۲۰)

اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرو اور جو بھی سود باقی رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔ پس اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

نازل ہوئی تو اللہ کے رسول ﷺ نے سب سے پہلے اپنے چچا حضرت عباسؓ کا سود معاف فرمایا۔ (۲۱)

اس طرح اللہ کے رسول ﷺ کی سنت زندگی کے ہر شعبہ میں قابل تقلید اور قابل عمل نمونہ ہے۔

۵۔ انقلاب کا بہترین تاریخی ذخیرہ:

دنیا میں اسلام سے پہلے بھی تاریخ کا تصور موجود تھا۔ اسلام سے پہلے تاریخ کی بہت سی کتابیں موجود تھیں۔ ایسی بھی کئی کتابیں ملتی ہیں جن میں قوموں کی تاریخ بیان ہوئی ہے۔ یونانیوں، ہندوستانیوں اور رومیوں میں بھی موجود تھیں۔ ہیروڈوٹس اسلام سے پہلے کا مؤرخ ہے۔ اس کی بیان کی ہوئی معلومات آج بھی دستیاب ہیں۔ اس کی authenticity کتنی ہے؟ وہ خود کتنا مستند ہے؟ اسلام سے پہلے کی تاریخ اور تمدنی معلومات کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔ ہندوؤں میں بھی اسلام سے پہلے کئی کتابیں موجود ہیں۔ جن میں کچھ تاریخی نوعیت کی معلومات بھی شامل ہیں لیکن وہ چیز جس کو اسلام سے پہلے تاریخ کہا جاتا تھا وہ کیا تھی؟ آج دنیا کا کوئی مؤرخ اسلام کے اس احسان کو مانتا ہے

یا نہیں مانتا۔ اگر مانتا ہے تو بلاشبہ وہ عدل و انصاف کی بات کرتا ہے اور اگر وہ نہیں مانتا تو بڑا احسان فراموش اور ناواقف ہے کہ دنیا کو اصل واقعہ جھوٹ کے بغیر نہیں کیا گیا خود اس کی زد ایسے لوگوں پر جاری ہے۔ تاریخ کا صحیح تصور اور تاریخ کا وہ صحیح شعور جس طریقے سے مسلمانوں کو حاصل ہوا۔ اس کا اولین مصدر و ماخذ حدیث و سنت ہے۔ اسلام سے پہلے تاریخ کا تصور یہ تھا کہ کسی قوم میں جو قصبے کہانیاں مشہور ہیں ان کو مدون کر لیا جائے اور جو رطب و یابس کہانیاں دستیاب ہیں ان کو حقیقت مان لیا جائے۔

اسی طرح حضرت جعفر بن ابی طالب نجاشی بادشاہ کے دربار میں جو نقشہ کھینچا عجب توحید کا پر تو ہے حضرت جعفرؓ نے فرمایا۔

أيها الملك كنا قوما أهل جاهلية نعبد الأصنام ونأكل الميتة، ونأتي الفواحش، ونقطع الأرحام نسبي الجوار، ويأكل القوي منا الضعيف فكنا على ذلك حتى بعث الله إلينا رسولاً منا، نعرف نسبه وصدقه وأمانته وعفافه، فدعانا إلى الله لنوحده ونعبده ونخلع ما كنا نعبد نحن وآباؤنا من دونه من الحجارة والأوثان، وأمرنا بصدق الحديث، وأداء الأمانة، وصلة الرحم، وحسن الجوار،----- وأمرنا أن نعبد الله وحده لا نشارك به شيئاً، وأمرنا بالصلاة والزكاة والصيام الخ(۲۲)۔

اے بادشاہ: ہم جاہل قوم تھے بتوں کی پوجا کرتے تھے اور مردار کھاتے تھے۔ نجاشی کے کام کرتے تھے۔ ہم قطع رحمی کرتے تھے۔ ہمسائے کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے۔ ہمارا قوی کمزور کو کھا جاتا، اسی دوران میں اللہ نے ہماری طرف ہم میں سے ایک رسول بھیجا جس کے نسب، سچائی، امانت اور عفت سے ہم خوب واقف تھے۔ اس نے ہمیں اللہ کی طرف دعوت دی تاکہ ہم اسے اکیلا سمجھیں۔ اس کی عبادت کرنے لگیں اور (اس کے مقابلہ میں) اس (جھوٹے معبود) کو چھوڑ دیں جس کی ہم اور ہمارے آباء عبادت کرتے تھے، بت اور پتھر وغیرہ کو۔ اور اس نے ہم کو سچی بات کہنے کا حکم دیا، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی اور ہمسائے کے ساتھ اچھے سلوک کرنے کا حکم دیا نیز ہمیں حکم دیا کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اس نے ہمیں نماز، زکوٰۃ اور روزہ رکھنے کا (بھی) حکم دیا۔

سیاسی انقلاب نے بادشاہت کے تصور کو مٹا دیا، نا انصافی کا خاتمہ کر دیا۔ قانون کی حکمرانی کو رواج دیا

لوگوں کو جس آزادی کی ضرورت تھی عنایت فرمائی۔ شہریوں کو جن حقوق کی ضرورت تھی عنایت فرمائے۔ معاشرتی لحاظ سے اخوت نے مساوات کی عجیب مثال قائم کی۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (۲۳) اسلامی اخوت پیدا کی، اخلاقی لحاظ سے بلندی عطا فرمائی۔

اس انقلاب کی جھلک ڈاکٹر ماجد علی خان نے ”Muhammad The Final Messenger“

یوں کھینچی ہے:

Thus the Prophet of Islam made a clean sweep of the existing order of things, as a result of his painstaking efforts, the thinking of men changed, the love of God was kindled in their hearts, quest for eternal truth became the general endeavour, and a new key-note was struck... This Complete revolution, this Dawn of new era is a Miracle worked by teh Prophet Muhammad (Peace be upon him). (24)

۶۔ عہد نبوی ﷺ کی تمدنی تصویر:

مسلم معاشرے پر سنت نبوی ﷺ کا بڑا گہرا اثر مرتب ہوا۔ مثلاً باہمی سلام کی عادت، چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کا احترام، جسم، لباس، گھریاں بلکہ بازار تک صفائی وغیرہ کا مسلسل اہتمام آپ ﷺ کی تعلیمات کی بنا پر رواج پذیر ہوا مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کو عام کرنے کا حکم دیا اور ہر جان پہچان والے اور اجنبی کو بھی سلام کہنے کا حکم دیا۔ (۲۵) اسی طرح آپ ﷺ نے لباس کے بارے میں تفصیلی ہدایات جاری فرمائی ہیں۔ آپ ﷺ نے سفید لباس پہننے کو ترغیب دی اور اس میں مردوں کو دفنانے کا حکم دیا۔ (۲۶) آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا۔

المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يظلمه (۲۷)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس کو چھوڑ سکتا ہے اور نہ ہی اس پر ظلم کر سکتا ہے۔

ہمدردی کے لحاظ سے فرمایا:

من كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته (۲۸)

جو اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے گا اللہ اس کی ضرورت پوری کرے گا۔

یہ عملی تصویر مدینہ منورہ میں صحابہ کرامؓ میں پائی جاتی تھی۔ وہ ایک دوسرے کو جان سے بھی عزیز سمجھتے تھے۔ قرآن

نے ان کی تصویر یوں کھینچی ہے۔

وَيُؤْتُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

الْمُفْلِحُونَ (۲۹)

وہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو (بات یہ ہے) کہ جو بھی اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیا وہی کامیاب (اور بامراد) ہے۔
رسول اللہ ﷺ کے فرامین اور قرآن مجید کی آیات کے مطابق صحابہ کرام عمل کرتے تھے۔
حضرت خدیجہؓ نے فرمایا:

كَلَّا وَاللَّهِ مَا يَخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا۔ إِنَّكَ لِتَصِلَ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتَعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ (۳۰)

ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! اللہ آپ ﷺ کو سزا نہیں کرے گا کیونکہ آپ ﷺ رشتہ داروں کے تعلقات جوڑتے ہیں۔ ناتواں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ جو چیز دوسروں کے پاس نہیں آپ ﷺ انہیں کما کر دیتے ہیں۔ مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ حادثات کے شکار لوگوں کے حقوق دلانے میں مدد کرتے ہیں۔

عورتوں کو ان کا مقام دیا۔ کہاں یہ منظر تھا۔

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ۔ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (۳۱)

ان میں سے جب کسی کو لڑکی ہونے کی خبر دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے۔ اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ کیا اس کو زلت کے ساتھ لئے ہوئے ہی رہے یا اسے مٹی میں دبا دے، آہ! کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں؟

قرآن نے ان کے متعلق فرمایا:

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مَنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا (۳۲)

جو ایمان والا ہو مرد ہو یا عورت اور وہ نیک اعمال کرے، یقیناً ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور کھجور کی گٹھلی کے شگاف برابر بھی ان کا حق نہ مارا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے ایسا معاشرہ دیا جس میں خیر کے پہلو غالب تھے اور آپ ﷺ نے اہل خانہ سے حسن سلوک کرنے کے متعلق فرمایا:

خیر کم خیر کم لأھله وأنا خیر کم لأھلی (۳۳)

آپ میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل کے لیے بہتر ہے اور میں اپنے اہل کے لیے آپ سے زیادہ بہتر ہوں۔

اور فرمایا:

حَبَّبَ الٰی مِنَ الدُّنْيَا، النِّسَاءِ وَالطَّيِّبِ وَجَعَلَتْ قِرَّةَ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ (۳۴)

دنیا سے مجھے عورتوں، خوشبو سے محبت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔

اخلاق و عادات کے ساتھ ساتھ زبان و ادب بلکہ علوم و فنون اور طرز تعمیر تک بدل گئے۔ عہد نبوی ﷺ کے اجتماعی حالات اور تمدن و ثقافت کی اولین تصویر کتب حدیث کے اندر ہی محفوظ ہیں۔ اولین اسلامی تہذیب و تمدن کا مطالعہ کرنے والے سنت و حدیث کو نظر انداز کر کے کبھی بھی اس تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ گویا عصر حاضر میں اپنے تمدن و ثقافت کی اصلاح کی خاطر راہنمائی کے لیے سنت و حدیث کی طرف مراجعت لازمی ٹھہرتی ہے۔

۷۔ امت کی وحدت صرف اتباع سنت ہی سے ممکن ہے:

دنیا بھر کے مسلمانوں کو وحدت کی لڑی میں پرونے کے لیے سب کے پاس ایک ہی عملی نمونہ ہے اور وہ آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ ہے۔ جس کی بدولت دنیا کے ہر گوشے میں پھیلے ہوئے مسلمان صدیوں کو محیط تاریخی ادوار سے گزرنے کے باوجود عقائد، طرز فکر، اخلاق و اقدار میں اختلاف کی نسبت ہم آہنگی اور یک رنگی عنصر زیادہ رکھتے ہیں۔ یکسانیت و وحدت امت مسلمہ میں سنت و حدیث نبوی ﷺ بہت زیادہ اہمیت و ضرورت کی حامل نظر آتی ہے۔ تمام مسلمان دائیں ہاتھ کھانا کھاتے ہیں آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں، ہمسایوں سے ہمدردی کرتے ہیں، ظلم کو برا سمجھتے ہیں۔ آپس میں پیار کرتے ہیں۔ توحید کے قائل ہیں۔ سبھی نمازیں پڑھتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں حج کرتے ہیں۔ قربانیاں کرتے ہیں عیدین پڑھتے ہیں زکاۃ فطر ادا کرتے ہیں۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے کیا۔

۸۔ سنت اور تکمیل دین:

قرآن مجید اسلام کے دین کامل ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ (۳۵)

آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا۔

اس کامل دین کے اساسی اصول اور تعلیمات و احکامات تو قرآن پیش کرتا ہے لیکن نماز جیسے اہم بنیادی فرض

کی تفصیلات مہیا نہیں کرتا اس لیے مکررین حدیث مسلسل مضحکہ خیز نماز سازی میں مصروف ہیں۔ یہ قرآنی دعویٰ اکملیت اسلام سنت نبوی ﷺ کے ساتھ ہی پورا ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ سنت نبوی ﷺ منجانب اللہ ہونے کے ناطے

درجہ میں حجت اور واجب التعمیل ہے۔ سنت نبوی ﷺ کے دین میں حجت و ماخذ صحیح ہونے کیلئے قرآن فہمی کے لیے معاون اور وحدت امت مسلمہ کا ذریعہ ہونے کے باعث اس کی حفاظت بھی قرآن کی طرح ضروری ہے۔
سنت کا تشریحی مفہوم:

قرآن کریم میں لفظ سنت کا استعمال طریقہ کے معنی میں ہوا ہے امام راغب اصفہانی کہتے ہیں: سنت: طریقہ کو کہتے ہیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا (۳۶)

اللہ تعالیٰ نے یہی طریقہ (دستور) رکھا ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے اور آپ اللہ کے دستور (طریقہ) میں کوئی رد و بدل نہیں پائیں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا (۳۷)

اور نہ آپ اللہ کے دستور کو (سنت) پھرتا ہوا (منتقل ہوتا ہوا) دیکھیں گے۔

ماہرین حدیث نے سنت کی درج ذیل تعریف بیان کی ہے:

”رسالت مآب نبی کریم ﷺ کا کوئی قول، فعل یا تقریر سنت کہلاتی ہے“ (۳۸)

”تقریر“ محدثین کی ایک اصطلاح ہے اور اس کی تعریف میں اس سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے کوئی بات کہی یا کسی خاص فعل کو اختیار کیا اور اس کا یہ قول یا فعل رسول اللہ ﷺ کے علم میں آیا تو آپ ﷺ نے واضح الفاظ اس کی توثیق فرمائی یا ناپسندیدگی کا اظہار فرمائے بغیر سکوت اختیار فرمایا۔ یہ سکوت رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ایک معنوی رضامندی ہے اس لیے یہ بھی سنت کی اصطلاح میں داخل ہے۔ (۳۹)

چونکہ سنت کی تینوں جہتیں (قول، فعل، تقریر) رسول اللہ کی ذات اقدس سے متعلق ہیں اس لیے اسلامی قانون میں سنت کا صحیح مقام اور مرتبہ کا تعین خود نبی کریم ﷺ کی ذات مبارک کے مقام کو سمجھے بغیر ممکن نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے بحیثیت شارع ہونے پر قرآن سے دلائل:

سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

يَا مَرْهُمُ بِاَلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اَصْرَهُمْ وَالْاَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (۴۰)

وہ ان کو معروف کا حکم دیتا ہے اور منکر سے روکتا ہے اور ان کے لئے پاک چیزوں کو حلال قرار دیتا

ہے اور خمیشت چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اور بندھن اتار دیتا ہے جو ان پر چڑھے ہوئے تھے۔

اس آیت کے الفاظ اس امر میں بالکل صریح ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تشریحی اختیارات (Legislative Powers) عطا کیے ہیں۔ اللہ کی طرف سے امر و نہی اور تحلیل و تحریم صرف وہی نہیں ہے جو قرآن کریم میں بیان ہوئی ہے بلکہ جو کچھ نبی ﷺ نے حرام یا حلال قرار دیا ہے اور جس چیز کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے اس لیے وہ بھی قانون خداوندی کا ایک حصہ ہے۔ یہی بات سورہ حشر میں اسی صراحت کے ساتھ ارشاد ہوئی ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (۴۱)

جو کچھ رسول ﷺ تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے منع کر دے اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

ان دونوں آیتوں میں سے کسی کی یہ تاویل نہیں کی جاسکتی کہ ان میں قرآن کے اوامر و نواہی اور قرآن کی تحلیل و تحریم کا ذکر ہے۔ یہ تاویل نہیں بلکہ اللہ کے کلام میں ترمیم ہوگی۔ اللہ نے تو یہاں امر و نہی اور تحلیل و تحریم کو رسول ﷺ کا فعل قرار دیا ہے نہ کہ قرآن کا۔ پھر کیا کوئی شخص اللہ سے یہ کہنا چاہتا ہے کہ آپ سے بیان میں غلطی ہوگئی آپ بھولے سے قرآن کے بجائے رسول کا نام لے گئے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (۴۲)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ اور اربابِ حکم و اقتدار کی لیکن اگر ان سے کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کے سپرد کرو اگر تم اللہ اور آخرت پر یقین رکھتے ہو یہ طریق انجام کار کے لحاظ سے بہتر ہے۔

اس مقام میں قرآن عزیز میں تین اطاعتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ پہلی دو اطاعتیں مستقل ہیں جن میں تصادم اور نزاع کا امکان ہی نہیں۔ اس لیے وہاں اس خطرے کا اظہار ہی نہیں فرمایا گیا۔ تیسری اطاعت غیر مستقل اور عارضی قسم کی ہے۔ امراء اور اربابِ اقتدار ممکن ہے کوئی ایسی حرکت کر گزریں جو اللہ کی مرضی اور رسول اللہ ﷺ

کے ارشادات کے منافی ہو اس صورت میں ان کی اطاعت ختم ہو جائے گی ارباب اقتدار کے مصالح کچھ ہی کیوں نہ ہوں ان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ نزاع کی اجازت نہیں دی جاسکتی اس لیے ان کی اطاعت عارضی ہے مستقل نہیں۔ اُولٰٓئِی الْاَمْرِ سے مراد خلافت الہیہ ہو یا امارت شرعیہ یا مرکز ملت ان کی اطاعت عارضی ہوگی اور غیر مستقل اس کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں رہیں اور ان سے نزاع نہ کریں یہ شرط ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں رہیں اور ان سے نزاع نہ کریں۔ آیت کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ سربراہ اور قائد کا جو بھی نام رکھا جائے اس کی اطاعت اور وفاداری واجب ہے بشرطیکہ وہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کو وفادار ہو۔ ارشاد الہی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ
كَثِيرًا (۴۳)

یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور بکثرت اللہ کو یاد کرتا ہے۔

یہ آیت سورہ احزاب میں ہے اس کے بعد معنی کی بیوی سے نکاح کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے متعلق فیصلہ ہے پھر امہات المؤمنین کو ہدایات اور ان کے حقوق پھر جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے احکام کی اقتداء یہ تمام چیزیں اسوہ میں شامل ہیں۔ اس آیت نے دینی اور دنیوی تمام امور میں رسول اللہ ﷺ کو اسوہ قرار دیا ہے اور اسے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے لیے اساس قرار دیا ہے۔

اللہ کی کتاب میں سنت رسول ﷺ کی حجیت کے بہت سے دلائل بیان ہوئے ہیں۔ اللہ کی کتاب، سنت رسول ﷺ کو ایک اساسی مصدر شریعت (Primary source of Islamic Law) کے طور پر متعارف کرواتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَّاعَ اللَّهَ (۴۴)

جو رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت کرتا ہے۔

پس رسول ﷺ کی اطاعت کو من جملہ اللہ ہی کی اطاعت میں شمار کیا گیا ہے لہذا سنت پر عمل درحقیقت کتاب اللہ پر عمل کا دوسرا نام ہے۔ اسی طرح ایک اور آیت مبارکہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو لازم قرار دیا گیا ہے۔

قابل غور نکتہ یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو غیر مشروط بیان کیا گیا

ہے جبکہ حکمران اور امیر کی اطاعت کو مشروط کیا گیا ہے۔ دوسرا اہم نکتہ اس آیت مبارکہ میں یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے باہمی اختلاف کی صورت میں اختلاف رفع کرنے کے لیے جن دو مصادر کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہیں یعنی کتاب اور سنت رسول ﷺ۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا اتَّكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (۳۵)

اور جو اللہ کے رسول ﷺ تمہیں دیں، وہ لے لو اور جس سے منع کریں، اس سے رک جاؤ۔

اس آیت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کے ہر فرمان کو لینا واجب ہے۔ اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (۳۶)

اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت کے مطابق اللہ کے محبوب بننے کی شرط لازم اللہ کے رسول ﷺ کے اقوال و افعال کی اتباع ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کی اتباع اس لیے بھی لازم ہے کہ آپ ﷺ کی سنت ایک مسلمان کے لیے زندگی گزارنے کا ایک بہترین نمونہ یا ماڈل قرار دیا گیا ہے۔

آپ ﷺ کی سنت کی اتباع اس لیے بھی لازم ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت ہدایت کا باعث ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا (۳۷)

اور اگر تم اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔

اسی طرح کتاب اللہ میں مسلمانوں کے باہمی اختلافات میں اللہ کے رسول ﷺ کے فرامین مبارک کو حجت نہ ماننے والوں کے ایمان کی نفی کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (۳۸)

پس آپ کے رب کی قسم کہ یہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپ کو اپنے جھگڑوں میں منصف نہ مان لیں۔ اور پھر آپ کے فیصلے پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں اور اسے ہر طرح سے تسلیم کر لیں۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ
وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلًّا مُّبِينًا (۴۹)

اور کسی مومن مرد یا مومن عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ اس کے بارے میں کوئی فیصلہ فرمادیں تو اس کے پاس اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا تو وہ تو صریح گمراہی میں بہتا ہو گیا ہے۔

حضور ﷺ کے تشریحی کام کی حیثیت:

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مجمل احکام اور ہدایات دے کر یا کچھ اصول بیان کر کے یا اپنی پسند و ناپسند کا اظہار کر کے یہ کام اپنے رسول ﷺ کے سپرد کیا کہ وہ پسند ناپسند کا اظہار کر کے نہ صرف لفظی طور پر اس قانون کی تفصیلی شکل مرتب کریں بلکہ اس کے مطابق کام کر کے بھی دکھائیں۔ یہ تفویض اختیارات کا فرمان خود قرآن مجید میں موجود ہے:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِيُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (۵۰)

اور ہم نے آپ ﷺ کی طرف یہ ذکر نازل کیا ہے تاکہ آپ ﷺ لوگوں کے سامنے اس (تعلیم) کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو ان کی طرف اتاری گئی ہے اور تاکہ وہ (خود بھی) غور و فکر کریں۔

اس صریح فرمان کی تفویض کے بعد آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ رسول اللہ ﷺ کا قولی اور عملی بیان، قرآن کے قانون سے الگ کوئی چیز ہے یہ درحقیقت قرآن ہی کی رو سے اس کے قانون کا ایک حصہ ہے اس کو چیلنج کرنے کے معنی خود قرآن کو اور خدا کے پروردانہ تفویض کو چیلنج کرنے کے ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا (۵۱)

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پاسکتے ہوں اس گھر کا حج فرض کر دیا ہے۔

لیکن استطاعت سے کیا مراد ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی شرح کرتے ہوئے اس سے مراد سواری

اور زادراہ لیا ہے۔ (۵۲)

اسی طرح قرآن مجید نے مردار کو حرام قرار دیا ہے۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَالْحَمَّ الْخَنِزِيرِ (۵۳)

(تم پر مردہ اور (بہا ہوا) خون اور سور کا گوشت اور ہر وہ چیز جس پر اللہ کے سوا دوسروں کا نام پکارا گیا ہو حرام ہے)۔

جبکہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی وضاحت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ سمندر کا مردار حرام نہیں ہے اور وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ (۵۳)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أحلت لنا ميتتان ودمان (ہمارے لئے دو مردے اور دو خون حلال قرار دئے گئے ہیں) (۵۵) دو مردے کبڑی اور مچھلی اور دو خون جگر اور کبجی۔ (۵۶) اسی طرح قرآن مجید نے زکوٰۃ کو فرض قرار دیا لیکن کس کس مال میں سے کس قدر زکوٰۃ ادا کرنی ہے، اس کی وضاحت اللہ کے رسول ﷺ نے فرمائی ہے۔ (کتب حدیث میں کتاب الزکاۃ میں پوری تفصیلات ہیں)۔

اس طرح کے کئی معاملات جن سے شفعہ مثلاً وراثت کے احکام، درندوں کی حرمت اور گھریلو گدھوں کی حرمت، اسی طرح رضاعی رشتوں کی حرمت وغیرہ شامل ہیں جن کی وضاحت صرف فرامین نبوی میں ہی ملتی ہے۔ قرآن مجید اس بارے میں خاموش ہے۔

حدیث نبوی ﷺ کا تشریحی مقام اور خلفاء راشدین

حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حدیث نبوی ﷺ کا تشریحی مقام:

حضرت ابو بکر صدیقؓ رسول اللہ ﷺ کی ذات اور آپ ﷺ کے اعمال پر جان نثار کرتے تھے۔ حدیث رسول ﷺ کے معاملے میں احتیاط سے کام لیتے تھے۔

۱۔ ایک عورت اپنے پوتے کی میراث میں سے حصہ لینے آئی، حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: "نہ کتاب اللہ میں تمہارا کوئی حصہ مقرر ہے اور نہ میرے علم کے مطابق سنت نبی ﷺ میں تمہارا کوئی حصہ مقرر ہے۔" اس کے بعد فرمایا: تم پھر دوبارہ آنا "میں لوگوں سے پوچھوں گا" پس انہوں نے لوگوں سے دریافت کیا۔ حضرت مغیرہؓ اور حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے دادی کو چھنا حصہ دیا تھا یہ حدیث سننے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے اس کو چھنا حصہ دے دیا۔ (۵۷)

۲۔ اس طرح حضرت فاطمہ الزہراءؓ کے وراثت کے مطالبہ پر رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنائی۔ نحن معاشر الانبیاء ما ترکناہ صدقۃ (۵۸) ہم نبیوں کا گروہ جو چھوڑ دیں وہ صدقہ ہے) اس فرمان نبوی ﷺ کو سن کر حضرت فاطمہؓ نے دوبارہ کبھی مطالبہ نہ کیا۔

۳۔ اس طرح خلافت کے وقت جھگڑا ہوا تو انہوں نے حدیث سنائی۔ الأئمة من قریش (۵۹) (خلیفہ قریش میں سے ہوگا)۔ اس پر تمام صحابہؓ آپ کی بات کے قائل ہو گئے۔

اسی طرح دیگر معاملات میں ہوتا تھا۔ حضرت علیؓ نے ان سے حدیث سنی تو فرمایا۔ حدیثی ابو بکر و صدق ابو بکر (۶۰) مجھے ابو بکر نے بیان کیا اور اس نے سچ کہا۔

۴۔ حافظ ابن قیم نے سنت اور حدیث کے بارے میں حضرت ابو بکرؓ کا طرزِ عمل اس طرح نقل کیا ہے:

كان أبو بكر إذا ورد عليه حكمٌ نظر في كتاب الله تعالى فان وجد فيه ما يقضى به قضى به وان لم يجد في كتاب الله نظر في سنة رسول الله ﷺ فان وجد فيها ما يقضى به قضى به فان اعياه ذلك سأل الناس هل علمتم أن رسول الله ﷺ قضى فيه بقضاء فر بما قام اليه القوم فيقولون قضى فيه بكذا وكذا (۶۱)۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو پہلے وہ کتاب اللہ میں اس کا حل تلاش کرتے اگر وہاں نہ پاتے تو پھر رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف رجوع فرماتے، اگر اس موقع پر بھی ناکام رہتے تو پھر لوگوں سے دریافت کرتے کہ کیا اس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کا کسی کو علم ہے؟ بار بار ایسا ہوا ہے کہ اس طرح سوال کرنے پر لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کی اطلاع آپ کو دی ہے۔

تاریخ الخلفاء میں مزید الفاظ ملتے ہیں کہ آپؓ اس قسم کے مواقع پر لوگوں سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث سن کر خوشی سے یہ فرماتے۔ الحمد لله الذي جعل فينا من يحفظ عن نبينا (۶۲) (اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہم میں سے ایسے لوگوں کو باقی رکھا ہے جس کے سینوں میں ہمارے نبی ﷺ کی سنت محفوظ ہے)۔

۵۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب ان کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ایک تحریر لکھوا دی جن میں یہ درج تھا بسم الله الرحمن الرحيم۔ یہ زکوٰۃ کے فرائض ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے اور انہی کا اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے۔ (۶۳) راوی حدیث حضرت حماد بن سلمہ کہتے ہیں میں نے صحیفہ حضرت انسؓ کے پوتے ثمامہ سے حاصل کیا۔ (۶۴)۔

۶۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے دور خلافت میں منکرین زکوٰۃ کے انکار پر ارشاد فرمایا:

والله لومنعوني عقلا كانوا يثودونها الى الرسول الله ﷺ لقاتلتهم على منعه (۶۵)
اللہ کی قسم میں اس سے جنگ کروں گا جس نے اونٹ کا گھٹنہ بند روک لیا جو رسول اللہ ﷺ کو ادا کرتے تھے۔

مانعین زکوٰۃ سے جب حضرت ابو بکرؓ نے قتال کا ارادہ فرمایا تو حضرت عمرؓ ہی تھے جنہوں نے اس کی مخالفت

کی اور حجت میں حدیث پیش کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا، آپؐ کیسے ان سے لڑ سکتے ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں، جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں، پس جس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا تو اس نے مجھ سے اپنے مال اور اپنی جان کو بچالیا مگر اس کے حق کے ساتھ اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اسی حدیث کے آخری حصہ "الابحفہ" سے استدلال کیا اور فرمایا: بے شک زکوٰۃ مال کا حق ہے۔" (۶۶)

۷۔ خلیفہ ہونے کے بعد حضرت ابو بکرؓ کا اولین اعلان یہ تھا کہ اطيعونی ما اطعت الله ورسوله فان عصبت الله ورسوله فلا طاعة لي عليكم (۶۷) ("میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا رہوں۔ لیکن اگر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری کوئی اطاعت نہیں ہے۔")

۸۔ انہوں نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد حبشہ اسامہؓ کو صرف اس لیے بھیجنے پر اصرار کیا کہ جس کام کا فیصلہ حضور ﷺ اپنی زندگی میں کر چکے تھے، اسے بدل دینے کا وہ اپنے آپ کو مجاز نہ سمجھتے تھے۔ صحابہ کرامؓ نے جب ان خطرات کی طرف توجہ دلائی جن کا طوفان عرب میں اٹھتا نظر آ رہا تھا اور اس حالت میں شام کی طرف فوج بھیج دینے کو نامناسب قرار دیا، تو حضرت ابو بکرؓ کا جواب یہ تھا کہ:

لو خطفتني الكلاب والذئاب لم أردد قضى، امر به رسول الله (۶۸)

اگر کتے اور بھینٹے بھی مجھے اچک لے جائیں تو میں اس فیصلہ کو نہ بدلوں گا جو رسول اللہ ﷺ نے کر دیا تھا۔

حضرت عمرؓ نے خواہش ظاہر کی کہ کم از کم اسامہؓ ہی کو اس لشکر کی قیادت سے ہٹادیں کیوں کہ بڑے بڑے صحابہ اس نوجوان لڑکے کی ماتحتی میں رہنے سے خوش نہیں ہیں۔ تو حضرت ابو بکرؓ نے ان کی ڈاڑھی پکڑ کر فرمایا:

ثكلتك امك وعد متك يا ابن الخطاب، استعمله رسول الله ﷺ وتامرني ان أنزع عهـ

"خطاب کے بیٹے، تیری ماں تجھے روئے اور تجھے کھودے، رسول اللہ ﷺ نے اس کو مقرر کیا اور تو

مجھ سے کہتا ہے کہ میں اسے ہٹا دوں۔"

اس موقع پر لشکر کو روانہ کرتے ہوئے جو تقریر انہوں نے کی اس میں فرمایا:

انما انا متبع لست بمبتدع (۶۹)

میں تو پیروی کرنے والا ہوں۔ نیا راستہ نکالنے والا نہیں ہوں۔

حضرت عمر فاروقؓ اور حدیث نبوی ﷺ کا تشریحی مقام:

حضرت عمرؓ نے بھی حدیث کے معاملہ میں بعینہ وہی طرز عمل اختیار کیا جو مذکورہ بالا واقعہ میں حضرت ابو بکرؓ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے، مختصر طور پر چند نظائر یہاں پیش کئے جاتے ہیں:

۱۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

سَيَأْتِي قَوْمٌ يَجَادِلُونَكُمْ بِشَبَهَاتِ الْقُرْآنِ فَخَذُوهُمْ بِالسَّنَنِ فَإِنَّ أَصْحَابَ السَّنَنِ أَعْلَمُ
بِكِتَابِ اللَّهِ - (۷۰)

آئندہ ایسے لوگ (وجود میں) آئیں گے جو قرآنی آیات کے بارے میں شبہات پیدا کر کے تم سے بحث و مجادلہ کریں گے، ایسے لوگوں پر تم سنن (احادیث) کے ذریعے گرفت کرو، اس لیے کہ سنن والے اللہ کی کتاب کا زیادہ علم رکھتے ہیں۔

یعنی قرآن مجید کا صحیح فہم، سنت و حدیث کے علم پر موقوف ہے، ورنہ انسان شبہات کی وادی میں بھٹکتا پھرے گا۔

۲۔ ایک بار حضرت عمرؓ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

أَنِّي لَمْ أبعثَ عَمَّالِي الْيَكْمَ لِيضْرَبُوا أَبْنَاءَ كُمْ وَلَا لِيَأْخُذُوا أَمْوَالَكُمْ لَكِنِ انَّمَا بَعَثْتَهُمْ
لِيَبْلُغُوا كُمْ دِينَكُمْ وَسُنَّةَ نَبِيِّكُمْ (۷۱)

میں اپنے عمال (گورنر) تمہارے پاس اس لیے نہیں بھیجتا ہوں کہ وہ تمہارے بیٹوں کو ماریں اور تمہارے مال مویشی تم سے زبردستی چھین لیں بلکہ میں تو ان کو اس لیے بھیجتا ہوں کہ تمہیں، تمہارا دین اور تمہارے نبیؐ کی سنت سکھلائیں۔

۳۔ حضرت عمرؓ ایک مرتبہ ملک شام جانے کے ارادے سے نکلے جب آپ مقام سرغ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ شام میں طاعون پھیلا ہوا ہے۔ مزید سفر جاری رکھنے کے بارے میں صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ کافی بحث و گفتگو کے باوجود کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اس موقع پر حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے یہ حدیث پیش کی کہ ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جہاں وبا پھوٹ پڑی ہو اس جگہ جانا نہیں چاہئے“۔ اس حدیث کو سن کر صحابہ کا اختلاف دور ہو گیا اور حضرت عمرؓ لشکر کے ساتھ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ (۷۲)

۴۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

إِيهَا النَّاسُ قَدْ سَنَّتْ لَكُمْ السَّنَنِ وَفَرَضَتْ لَكُمْ الْفَرَائِضَ وَتَرَكْتُمْ عَلَيَّ الْوَاضِحَةَ الْآان

تَضَلُّوا بِالنَّاسِ يَمِينًا وَشِمَالًا (۷۳)

لوگو! تمہارے لیے سنت مقرر کی گئی ہے۔ فرائض و احکام مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ تمہارے لیے روشن راستہ بنا دیا گیا ہے۔ الایہ کہ تم لوگوں کی وجہ سے دائیں بائیں بھٹک جاؤ۔

۵۔ ایک مرتبہ خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

اِيَّاكُمْ اَنْ تَهْلِكُوا عَنْ آيَةِ الرَّحْمِ- اَنْ يَقُولَ قَائِلٌ: لَا نَجِدُ حَدِيثًا فِي كِتَابِ اللّٰهِ- فَقَدْ

رَجِمَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَرَحِمْنَا (۷۴)

”سنو! رجم کا حکم جھٹلا کر خدا کے عذاب کا نشانہ نہ بنو کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ ہم اللہ کی کتاب میں دو حدوں کا ذکر نہیں پاتے۔ رسول اللہ نے رجم کیا (یعنی زانی کو سنگسار کیا) اور ہم بھی رجم کرتے ہیں۔“

۶۔ حضرت عمرؓ اپنے مسلک کے بارے میں قاضی شریح کے نام اپنے خط میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:

”اگر تم کوئی حکم کتاب اللہ میں پاؤ تو اس کے مطابق فیصلہ کرو اور اس کی موجودگی میں کسی دوسری چیز کی طرف توجہ نہ کرو اور اگر کوئی ایسا معاملہ آئے جس کا حکم کتاب اللہ میں نہ ہو تو رسول اللہ ﷺ کی سنت میں جو حکم ملے اس پر فیصلہ کرو۔ اور اگر معاملہ ایسا ہو جس کا حکم نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ سنت رسول اللہ ﷺ میں تو اس کا فیصلہ اس قانون کے مطابق کرو جس پر اجماع ہو چکا ہو لیکن اگر کسی معاملہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ دونوں خاموش ہوں اور تم سے پہلے اس کے متعلق کوئی اجماعی فیصلہ بھی نہ ہوا ہو تو تمہیں اختیار ہے کہ یا تو پیش قدمی کر کے اپنی اجتہادی رائے سے فیصلہ کرو، یا پھر انتظار کرو اور میرے نزدیک تمہارا انتظار کرنا زیادہ بہتر ہے۔“ (۷۵)۔

یہ حضرت عمرؓ کا اپنا لکھا ہوا سرکاری ہدایت نامہ ہے، جو انہوں نے خلیفہ وقت کی حیثیت سے ضابطہ عدالت

کے متعلق کوفہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کو بھیجا تھا۔

۷۔ امام شاطبی نے موافقات میں حضرت عمرؓ کے وہ مکتوبات نقل کئے ہیں جو انہوں نے قاضی شریح کے نام

بھیجے تھے۔ ان میں سے دو اقتباس ہم پیش کر رہے ہیں جن سے حضرت عمرؓ کے رویہ حدیث پر روشنی پڑتی ہے:

اِذَا اَتَاكَ اَمْرٌ فَاَقْضِ بِمَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَاِنْ اَتَاكَ مَا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَاَقْضِ بِمَا سَنَّ فِيهِ

رسول اللہ (۷۶)۔

جب تمہارے پاس کوئی آدمی آئے تو تم جو کچھ کتاب اللہ میں ہے اس کے مطابق فیصلہ دو اگر

تمہارے پاس کوئی ایسی چیز آئے جو کتاب اللہ میں نہیں تو تم اس طریق پر فیصلہ کرو جو رسول کریم ﷺ کا اس میں تھا۔

انظر ماتین لك في كتاب الله فلا تسئل فيه احدا و ما لم تبين لك في كتاب الله فاتبع في سنة رسول الله (۷۷)

تم دیکھو جو چیز تمہارے لئے کتاب اللہ میں واضح ہے اس بارے میں کسی سے مت سوال کرو اور جو چیز کتاب اللہ میں واضح نہیں ہے اس میں سنت رسول ﷺ کا اتباع کرو۔

۱۱۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰؓ کو والی بصرہ بنایا تو حضرت ابوموسیٰؓ نے مجمع عام میں تقریر کی جس میں خلافت کے انداز حکمرانی کو واضح کیا اس تقریر میں ان کا یہ جملہ قابل غور ہے:

بعثنی عمر لاعلمکم کتاب ربکم وسنة نبیکم (۷۸)۔

مجھے عمرؓ نے بھیجا ہے کہ میں تمہیں تمہارے رب کی کتاب اور تمہارے نبی ﷺ کی سنت سکھاؤں۔

حضرت عثمانؓ اور حدیث نبوی ﷺ کا تشریحی مقام:

حضرت عمرؓ کے بعد تیسرے خلیفہ عثمانؓ ہیں۔ آپؓ داماد رسول تھے اور شرافت و تقویٰ کے اعتبار سے حضور ﷺ کے ممتاز صحابہ میں سے تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے اکتساب علم اور فیض تربیت حاصل کرنے میں دیگر خلفاء راشدین کی طرح انہیں بھی خصوصیت حاصل تھی۔ حدیث کی روایت میں آپؓ نے دوسرے صحابہ کرامؓ کی بہ نسبت زیادہ احتیاط برتی ہے آپؓ کی جملہ مرویات کی تعداد ایک سو چھیالیس ہے جن میں تین متفق علیہ ہیں۔ آٹھ صرف بخاری میں اور پانچ صرف مسلم میں ہیں۔ قلت روایت احتیاط کا نتیجہ ہے ورنہ آپؓ سنت کو دین میں حجت مانتے تھے اور خود احادیث بیان فرماتے تھے۔

۱۔ بیعت کے بعد اولین خطبہ جو انہوں نے دیا، اس میں علی الاعلان تمام مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”خبردار رہو، میں پیروی کرنے والا ہوں، نئی راہ نکالنے والا نہیں ہوں۔ میرے اوپر کتاب اللہ اور سنت نبی ﷺ کی پابندی کے بعد تمہارے تین حق ہیں جن کی میں ذمہ داری لیتا ہوں۔ ایک یہ کہ میرے پیش رو خلفاء کے زمانے میں تمہارے اتفاق و اجتماع سے جو فیصلے اور طریقے طے ہو چکے ہیں، ان کی پیروی کروں گا۔ دوسرے یہ کہ جو امور اہل خیر کے اجتماع و اتفاق سے طے ہوں گے ان پر عمل درآمد کروں گا۔ تیسرے یہ کہ تمہارے اوپر دست درازی کرنے سے باز رہوں گا جب

تک کہ تم از روئے قانون مواخذہ کے مستوجب نہ ہو جاؤ۔“ (۷۹)

۲۔ حضرت عثمانؓ کا خیال تھا کہ جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو وہ جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے لیکن حضرت ابوسعید خدریؓ کی بہن فریبع بنت مالک نے اپنا واقعہ پیش کیا کہ میرا شوہر قتل کیا گیا تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپؐ نے شوہر کے مکان پر عدت گزارنے کا حکم دیا، حضرت عثمانؓ نے اسی روایت کے مطابق فیصلہ کیا (۸۰)

۳۔ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر جن الفاظ کے ساتھ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے بیعت کی تھی وہ یہ تھے:
أبايعك على كتاب الله وسنة رسوله وسيرة ابي بكر وعمر رضی اللہ عنہما (۸۱)
میں تمہارے ہاتھ پر، اللہ کی کتاب، اس کے رسولؐ کی سنت اور حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کے طریقے پر بیعت کرتا ہوں) نیچے تاریخ گواہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں سر مو بھی اس معاہدہ بیعت سے تجاوز نہ کیا۔

۴۔ حضرت عثمانؓ حج کے موسم میں تمتع کے قائل نہ تھے لیکن جب حضرت علیؓ نے حدیث بیان کی تو انہوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ (۸۲)
حضرت علیؓ اور حدیث نبوی ﷺ کا تشریحی مقام:

چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ ہیں۔ حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے پچازاد بھائی اور داماد ہیں۔ آپ نے حضور ﷺ کے اخلاق سے بہرہ وافر پایا۔
۱۔ حضرت علیؓ کے پاس چند مردہ افراد لائے گئے، آپؓ نے ان کو آگ میں جلانے کا حکم دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

من بدل دینہ فاقتلوه

جو دین بدل لے اس کو قتل کر دو

یعنی مردین کا خاتمہ تلوار سے کیا جاسکتا ہے نہ کہ آگ میں جلا کر۔ حضرت علیؓ نے یہ سن کر فرمایا: صدق ابن عباس (ابن عباس سچ کہتے ہیں)۔ (۸۳)

۲۔ حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ فرمایا اگر دین کا مدار رائے اور قیاس آرائی پر ہوتا تو موزوں کے نیچے مسح کیا جاتا لیکن رسول اللہ ﷺ نے موزوں کے اوپر مسح کیا ہے۔ (۸۴)

۳۔ حضرت علیؓ نے کتاب و سنت کے اتباع کے معاملہ میں ٹھیک وہی روش اختیار کی جس پر حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ

زندگی بھر قائم رہے حضرت علیؑ یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

”خداوند جس طرح تو نے خلفائے راشدین کی رہنمائی فرمائی ہے مجھے بھی اپنی ہدایت سے مالا مال کر دے۔“

کسی نے سوال کیا: ”خلفائے راشدین سے کون لوگ مراد ہیں؟“ اس موقع پر آپؑ کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور فرمایا:

ہما حبیبای ابو بکر و عمر اما ما الہدیٰ و شیخا الاسلام (۸۵)

خلفائے راشدین سے میری مراد ابو بکر و عمرؓ ہیں جو میرے محبوب ہیں، ہدایت کے امام ہیں اور اسلام کی باعظمت شخصیتیں ہیں۔

۴۔ حضرت علیؑ نے خلیفہ ہونے کے بعد اہل مصر سے بیعت لینے کے لیے اپنے گورنر حضرت قیس بن سعد بن عبادہ کے ہاتھ جو سرکاری فرمان بھیجا تھا اس میں وہ لکھتے ہیں:

”خبردار رہو، ہمارے اوپر تمہارا یہ حق ہے کہ ہم اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کریں اور تم پر وہ حق قائم کریں جو کتاب و سنت کی رو سے حق ہو، اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو جاری کریں اور تمہاری بے خبری کی حالت میں بھی تمہارے ساتھ خیر خواہی کرتے رہیں۔“ (۸۶)

۵۔ حضرت علیؑ رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے پچازاد بھائی اور داماد ہیں۔ آپ نے حضور ﷺ کے اخلاق سے بہرہ وافر حصہ پایا۔ حدیث میں حضرت علیؑ کا طریق جداگانہ تھا۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی آپ کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر کے بات کرتا تو اس سے قسم لیتے تھے۔ شاید اس کی وجہ عہد عثمان میں برپا ہونے والے فتنے اور فساد بھی ہوں۔ (۸۷)

حدیث نبوی ﷺ کا تشریحی مقام اور ائمہ

امام ابوحنیفہؒ اور حدیث نبوی ﷺ کا تشریحی مقام:

امام ابوحنیفہؒ نے سنت کی اہمیت کے متعلق فرمایا:

۱۔ لو لا السنۃ ما فہم احدٌ منا القرآن (۸۸)

اگر سنت نہ ہوتی تو ہم میں سے کوئی قرآن کو نہ سمجھ سکتا۔

۲۔ ایاکم والقول فی دین اللہ بالزأی وعلیکم باتباع السنۃ فمن خرج عنها ضلّ (۸۹)

اللہ کے دین کے معاملہ میں رائے اور قیاس سے بچو اور سنت کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کر لو جو سنت کے دائرے سے نکلا وہ گمراہ ہوا۔

۳۔ لم نزل الناس فی صلاح ما دام منهم من يطلب الحديث فاذا طلبوا العلم بلا حديث فسدوا (۹۰)

لوگ برابر خیر و صلاحیت سے ہم کنار ہوں گے جب تک کہ ان میں حدیث کے طالب موجود رہیں گے اور جب وہ حدیث کو چھوڑ کر علم طلب کریں گے تو فساد اور بگاڑ کا نشانہ بن جائیں گے۔

۴۔ اذا صبح الحديث فهو مذهبي (۹۱)

صبح حدیث (پر عمل) ہی میرا مذہب ہے۔

۵۔ اذا قلت قولاً يخالف كتاب الله تعالى او خير الرسول فاتر كوا قولی (۹۲)

جب میں کوئی ایسی بات بیان کروں جو کتاب اللہ اور حدیث رسول کے خلاف ہو تو میری بات کو چھوڑ دو۔

امام مالکؒ اور حدیث نبوی ﷺ کا تشریحی مقام:

امام مالک کو امام دارالہجرۃ بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کوئی بھی کام خلاف سنت نہ کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ان کے اقوال ہیں:

۱۔ انما انا بشرٌ اخطىء وأصیب فانظروا فی رأی فكل ما وافق الكتاب والسنة فخذوه

وكل ما لم يوافق الكتاب والسنة فاتركوه (۹۳)

میں ایک انسان ہی ہوں غلط اور صحیح دونوں قسم کے فتوے دے سکتا ہوں میرے رائے میں غور کرو اگر کتاب و سنت کے مطابق ہو تو اسے قبول کرو ورنہ رد کرو۔

۲۔ ليس احدًا الا ويؤخذ من قوله ويترك الا النبي ﷺ (۹۴)

ہر شخص کی بات کو اختیار بھی کیا جا سکتا ہے اور چھوڑا بھی جا سکتا ہے۔ سوائے حضرت محمد ﷺ کے۔ (آپ کے قول کو بہر حال اپنانا ہی پڑے گا۔)

امام شافعیؒ اور حدیث نبوی ﷺ کا تشریحی مقام:

حدیث کے بارے میں امام شافعیؒ بہت سے اقوال نقل کیے جاسکتے ہیں یہاں چند اقوال کو بیان کیا

جاتا ہے۔

۱۔ أجمع المسلمون على أن من استبان له سنة عن رسول الله ﷺ لم يحل له أن يدعها بقول أحد (۹۵)

(تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی سنت سامنے آ جائے تو پھر اس بات کی گنجائش نہیں رہتی کہ اس کو کسی امتی کے قول کی بنا پر ترک کر دیا جائے)۔

۲۔ اذا وجدتم في كتابي خلاف سنة رسول الله فقولوا بسنة رسول الله ودعوا ما قلت وفي رواية اتبعوا ما ولا تلتفتوا الي قول احد (۹۶)۔

جب تم میری کسی کتاب میں اللہ کے رسول کی سنت کی مخالفت پاؤ تو سنت رسول کے مطابق فتویٰ دو اور جو میں کہہ رہا ہوں اس کو چھوڑ دو اور ایک روایت میں ان سے یہ الفاظ مروی ہیں کہ تم سنت رسول کی پیروی کرو اور کسی کے قول کی طرف مت متوجہ ہو۔

۳۔ اذا صح الحديث فاضربوا بقولی الحائط (۹۷)

جب کوئی مسئلہ صحیح حدیث سے ثابت ہو جائے تو میرے قول کو دیوار پر دے مارو۔

۴۔ ”جب حدیث ثابت ہو جائے تو اسی وقت اس کو قبول کر لینا واجب ہے گو اس کے مطابق کسی امام کا عمل موجود نہ ہو۔“ (۹۸)۔

۵۔ اذا ثبت الخبر عن النبي ﷺ لم يجز تركه لشئ (۹۹)

جب نبی ﷺ سے کوئی خبر ثابت ہو جائے تو کسی چیز کیلئے اس کا ترک کرنا جائز نہیں ہے۔

۶۔ اور ابو القاسم السمرقندی ”الامالی“ میں بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا:

”اگر تم مجھے کوئی ایسی بات کہتے ہوئے دیکھو جس کے خلاف نبی ﷺ کی صحیح حدیث موجود ہے تو جان لو کہ میری عقل جا چکی ہے۔“ (۱۰۰)۔

امام احمد بن حنبل اور حدیث نبوی ﷺ کا تشریحی مقام:

امام احمد بن حنبل کا احادیث کی جمع و ترتیب اور درس و تدریس سے جو شغف رہا ہے اس کا انکار کس کو ہو

سکتا ہے چنانچہ مسند احمد بن حنبل میں 30 ہزار کے قریب احادیث ہیں وہ فرماتے ہیں:

1۔ من ردّ حديث رسول الله ﷺ فهو على شفا هلكة (۱۰۰)

جس نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو رد کیا وہ ہلاکت و تباہی کے کنارے پہنچ گیا۔

2۔ لا تقلدني ولا تقلدوا ما لكا ولا الشافعي ولا الاوزاعي ولا الثوري وخذوا من حيث

اخذوا (۱۰۲)۔

”نہ میری تقلید کرو نہ امام مالک کی، نہ امام شافعی کی، نہ امام اوزاعی کی اور نہ امام ثوری کی بلکہ ہر حکم وہیں سے لو جہاں سے یہ لوگ اخذ کرتے ہیں (یعنی کتاب و سنت کی طرف رجوع کرو۔“

3- رأى الأوزاعى رأى ورأى مالك رأى ورأى أبى حنيفة كله رأى وهو عندى سواء وانما الحجة فى الآثار (۱۰۳)۔

”امام اوزاعی، امام مالک اور امام ابوحنیفہ کی آراء کی حیثیت محض رائے کی ہی ہے۔ میرے نزدیک یہ تمام آراء برابر ہیں اور حجت تو فقط آثار ہی ہیں۔“

مشاہیر امت اور سنت نبوی ﷺ

امام ابن تیمیہ اور سنت نبوی ﷺ

امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) کے نزدیک بھی ہر سنت مستقل حجت ہے، خواہ قرآن کی شارح یا مفسر ہو یا نہ ہو، وہ سنت کی تین قسمیں قرار دیتے ہیں اور تینوں کو حجت مانتے ہیں۔

۱۔ وہ سنت متواترہ جو ظاہر قرآن کے خلاف نہ ہو بلکہ اس کی مفسر ہو۔ مثلاً نمازوں کی تعداد، رکعات کی تعداد یا زکوٰۃ کا نصاب یا حج کے ارکان وغیرہ۔ اس طرح کے دوسرے احکام سنت ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں اور علماء اسلام کا ان کے بارے میں اجماع ہے یہ قرآن کا تہ اور تکملہ ہیں۔ پس جو ان کی حجیت کا انکار کرتا ہے وہ علم دین کا انکار کرتا ہے، رکن اسلام کو منہدم کرتا ہے اور اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے اتار پھینکتا ہے۔

۲۔ ایسی سنت متواترہ جو قرآن کی تفسیر نہیں کرتی، نہ ظاہر قرآن کے خلاف ہے لیکن ایسے حکم کو بتاتی ہے جو قرآن میں صراحتاً مذکور نہیں ہے جیسے زانی کے لیے (جبکہ شادی شدہ ہو) سنگ سار کرنے کی سزا، یا نصاب سرقہ کی تعیین، تمام سلف امت اس قسم کی سنت پر بھی عمل ضروری سمجھتے ہیں، سوائے خوارج کے۔“

شاہ ولی اللہ دہلوی اور حدیث نبوی ﷺ

شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۹ھ) تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف ان چاروں علوم میں مہارت رکھتے ہیں اور ان سب کے بارے میں ان کی مشہور و معروف تصانیف موجود ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اہمیت و عظمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اما الصحيحان فقد اتفق المحدثون على أن جميع ما فيهما من المتصل المرفوع صحيح بالقطع، وانهما متواتران الى مضيفهما وأنه كل من يهون امرهما فهو مبتدع، متبع غير

سبیل المؤمنین۔۔۔ الخ (۱۰۴)

کا معاملہ یہ ہے کہ محدثین کرام نے اتفاق رائے سے یہ طے کیا ہے کہ ان دونوں کتابوں میں جو احادیث متصل مرفوع پائی جاتی ہیں وہ قطعی طور پر صحیح ہیں، اور یہ دونوں متواتر طریقے کے ساتھ مصنفین (امام بخاری و مسلم) سے مربوط ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ جو شخص بھی ان دونوں کا درجہ گھٹانے کی کوشش کرے گا، اور ان کے ساتھ توہین و تحقیر سے پیش آئے گا تو وہ بدعتی ہے اور ایمان والوں کی راہ چھوڑ کر دوسرے راستے کی پیروی کرنے والا ہے۔

اللہ کے نبی کی بات قرآن کے خلاف کسی صورت بھی نہیں ہو سکتی۔ ایسی سوچ کے حامل روحانی اور ذہنی مریض ہیں اور علمی طور پر ان کی سوچ درست نہیں۔

اسی طرح حجۃ اللہ الباقیہ میں فرماتے ہیں: تمام علوم میں سب سے افضل اور اعلیٰ جس کو دین کی بنیاد سمجھنا چاہیے، علم حدیث ہے کہ جس میں رسول اللہ ﷺ کے جملہ اقوال و افعال کو محفوظ رکھا گیا ہے اور اس میں وہ واقعات بھی ہیں، جو آپ ﷺ کے سامنے ہوئے، اور آپ نے اپنے سکوت سے اس کے مباح ہونے پر مہر تصدیق ثبت فرما دی۔ آپ کے یہ افعال و اقوال اور آپ کا یہ سکوت ہمارے لئے مشعل راہ ہیں، جن کی روشنی میں اگر ہم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا راستہ طے کرنا چاہیں، تو منزل مقصود تک پہنچنے میں قطعاً کوئی شک باقی نہیں رہتا، اس راستہ پر چلنے والے کے لئے صراط مستقیم سے بھٹک جانے کا کوئی خطرہ نہیں، جس نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر عمل کیا وہ راہ یاب ہوا، اور جس نے اس سے منہ پھیرا وہ یقیناً گمراہ ہے، اس پر عمل کرنے میں خیر کثیر ہے، اور اس پر عمل نہ کرنا حصران مبین ہے، رسول اللہ ﷺ کے کلام میں (جس کا دوسرا نام حدیث ہے) امر و نہی، یا بالفاظ دیگر احکام شرعیہ کی تشریح ہے، آپ نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ حدیث کو بھی قرآن مجید کی طرح اہمیت حاصل ہے اور احادیث نبویہ کی مقدار، احکام قرآنی کے برابر یا اس سے بھی زائد ہے۔ (۱۰۵)

علامہ اقبالؒ اور سنت نبوی ﷺ

عام طور پر ایک گروہ علامہ اقبال کو منکرین سنت میں سے شمار کرتا ہے حالانکہ ان کی نثر و نظم گواہ ہے کہ وہ دین مبین میں سنت کو شرعی حجت مانتے تھے۔ اس کے متعلق چند شواہد ملاحظہ ہوں:

۱۔ ایک خط میں نشان ہلال کے بارے میں حدیث سے استدلال کرتے ہیں، تمام اُمت کا صدیوں سے اس پر اجماع ہے، جن اسلامی قوموں کا نشان اور ہے، وہ اس نشان پر کبھی معترض نہیں ہوئیں، اور حدیث صحیح ہے کہ میری اُمت کا اجماع ضلالت پر نہیں ہوگا۔ اس واسطے اس کو (یعنی نشان ہلال کو ضلالت تصور کرنا درست نہیں ہے۔ (۱۰۶)

۲۔ ان (احادیث میں) ایسے بیش بہا اصول ہیں کہ سوسائٹی باوجود اپنی ترقی اور تعلق کے اب تک ان کی بلند یوں تک نہیں پہنچی، (۱۰۷)

۳۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے ان (علامہ اقبال) کے سامنے بڑے اچھے کے انداز میں اس حدیث کا ذکر کیا جس میں بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ”اصحاب ثلاثہ“ یعنی وحضرات ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ اُحد (پہاڑ) پر تشریف رکھتے تھے، اتنے میں اُحد لرز نے لگا اور حضورؐ نے فرمایا کہ ٹھہر جا“ تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں ہے“۔ اس پر پہاڑ ساکن ہو گیا، اقبال نے حدیث سنتے ہی کہا کہ اس میں اچھے کی کوئی بات ہے؟ میں اسکو استعارہ، مجاز نہیں بلکہ ایک مادی حقیقت سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک اس کے لیے کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے، اگر تم حقائق سے آگاہ ہوتے تو تمہیں معلوم ہوتا کہ ایک نبی کے نیچے، مادے کے بڑے بڑے تو دے بھی لرز اٹھتے ہیں، مجازی نہیں واقعی لرز اٹھتے ہیں“ (۱۰۸)

خلاصہ بحث:

قرآن حکیم کی تصریحات، رسول اکرم ﷺ کے ارشادات عالیہ، آئمہ عظام اور مشاہیر امت کے اقوال اس امر پر صراحت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی حدیث اور سنت جو دراصل منصب نبوت کا ہی ایک تشریحی مقام ہے۔ ہر دور میں حجت رہا ہے۔ اسلامی قانون کی تصریحات و تعبیرات میں اس اہم ماخذ کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کوئی اس طرح کرتا ہے تو اس کا ایمان مشکوک ہو جاتا ہے۔

حوالہ جات و حواشی

- (۱) الاحزاب، ۳۳: ۲۱
- (۲) ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ، ابوعمر، التہمید (دارالکتب العلمیہ، بیروت ۲۰۱۰ء)، ۱۵۰/۱۔
- (۳) الاعراف، ۷: ۱۵۸
- (۴) النساء، ۴: ۱۵۲
- (۵) الانعام، ۶: ۳۳

- (۶) سلفی، محمد اسماعیل، مولانا، حجیت حدیث، (فاران اکیڈمی، لاہور) ص: ۱۸۱-۱۸۲۔
- (۷) الانعام، ۶: ۸۲۔
- (۸) قرطبی، محمد بن احمد بن ابی بکر، ابو عبد اللہ، الجامع الاحکام القرآن (دارالکتب المصریہ، القاہرہ، الطبعة الثانیہ، ۱۹۶۳ء) ۴/۳۰۔
- (۹) البقرہ، ۲: ۱۸۷۔
- (۱۰) بغوی، حسین بن مسعود، ابو محمد، معالم التنزیل، (دارطیبة المدینة المنورة) ۱/۲۰۸۔
- (۱۱) النساء، ۳: ۶۳۔
- (۱۲) النساء، ۳: ۵۹۔
- (۱۳) الخطیب التمریزی، محمد بن عبد اللہ، مشکوٰۃ المصابیح (المکتبہ التجاریہ، بیروت) ص: ۳۳۹، حدیث نمبر: ۳۶۹۶۔
- (۱۴) النور، ۳۳: ۵۳۔
- (۱۵) سیالکوٹی، محمد صادق، مولانا، ضرب حدیث (نعمانی کتب خانہ لاہور) ص: ۵۷-۵۸۔
- (۱۶) الاحزاب، ۳۳: ۲۱۔
- (۱۷) کتاب مقدس (بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور) مضمون، باب: ۵، آیت: ۳۹۔
- (۱۸) المائدہ، ۵: ۳۸۔
- (۱۹) نسائی، احمد بن شعیب، السنن (دارالسلام، الرياض، ۱۹۹۹ء) ص: ۶۷، ۶۷، حدیث نمبر: ۳۹۰۷۔
- (۲۰) البقرہ، ۲: ۲۷۸۔
- (۲۱) ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابوالقداء، تفسیر القرآن العظیم، (دارطیبة المدینة المنورة، ۱۹۹۹ء) ۱/۷۱۔
- (۲۲) ابن ہشام، السیرة النبویہ، ۱/۲۹۰۔
- (۲۳) الحجرات، ۳۹: ۱۳۔
- (24) (Majid Ali Khan, Dr, MUHAMMAD the Final Messenger (Sh. Muhammad Ashraf, Aibak road, new anarkali LHR) P:341.
- (۲۵) بخاری، الجامع الصحیح، ص: ۱۰۸۵، حدیث نمبر: ۶۲۳۶۔
- (۲۶) ترمذی، محمد بن عیسیٰ، الشمائل المحمدیہ، (مؤسسہ الکتب، بیروت، ۱۴۱۲ھ) ص: ۷۵۔
- (۲۷) بخاری، الجامع الصحیح، ص: ۳۹۳، حدیث نمبر: ۲۳۳۲۔
- (۲۸) بخاری، الجامع الصحیح، ص: ۳۹۳، حدیث نمبر: ۲۳۳۲۔
- (۲۹) الحشر، ۹: ۵۹۔

- (۳۰) بخاری، الجامع الصحیح، ص: ۱، حدیث نمبر: ۳۔
- (۳۱) النخل، ۱۶: ۵۸-۵۹
- (۳۲) النساء، ۴: ۱۲۳
- (۳۳) ابن ماجہ، محمد بن یزید، السنن (دار السلام، الرياض ۱۹۹۹ء) ص: ۲۸۳، حدیث نمبر: ۱۹۷۷۔
- (۳۴) نسائی، السنن، ص: ۳۶۹، حدیث نمبر: ۳۳۹۱۔
- (۳۵) المائدہ، ۵: ۳
- (۳۶) الفتح، ۲۸: ۲۳
- (۳۷) فاطر، ۳۵: ۴۳
- (۳۸) شوکانی، محمد بن علی، ارشاد الفحول (دار الکتب العربی، بیروت) ۹۵/۱۔
- (۳۹) ایضاً
- (۴۰) الاعراف، ۷: ۱۵۷
- (۴۱) الحشر، ۵۹: ۷
- (۴۲) النساء، ۴: ۵۹
- (۴۳) الاحزاب، ۳۳: ۲۱
- (۴۴) النساء، ۴: ۸۰
- (۴۵) الحشر، ۵۹: ۷
- (۴۶) آل عمران، ۳: ۳۱
- (۴۷) النور، ۲۴: ۵۴
- (۴۸) النساء، ۴: ۶۵
- (۴۹) الاحزاب، ۳۳: ۳۶
- (۵۰) النخل، ۱۶: ۴۳
- (۵۱) آل عمران، ۳: ۹۷
- (۵۲) ترمذی، السنن، ص: ۲۰۳، حدیث نمبر: ۸۱۳۔
- (۵۳) البقرہ، ۲: ۱۷۳
- (۵۴) الشافعی، المسند، باب کتاب الصيد والزبائح
- (۵۵) ابن ماجہ، السنن، ص: ۲۸۰، حدیث نمبر: ۳۳۱۴۔
- (۵۶) ابن ماجہ، السنن، ص: ۲۸۰، حدیث نمبر: ۳۳۱۴۔

- (۵۷) ابن ماجہ السنن، ص: ۳۹۲، حدیث نمبر: ۲۷۲۲۔
- (۵۸) بخاری، الجامع الصحیح، ص: ۷۱۹، حدیث نمبر: ۳۲۲۰۔
- (۵۹) بیہقی، احمد بن حسین، ابوبکر، السنن الکبریٰ (دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۰ء) ۲۲۷/۸۔
- (۶۰) احمد بن حنبل، المسند، ۲/۱۔
- (۶۱) ابن القیم، محمد بن ابی بکر، الجوزیہ، اعلام الموقعین، (طبع مصر) ۱/۲۲۔
- (۶۲) السیوطی، عبد الرحمن، جلال الدین، تاریخ الخلفاء، (طبع بیروت) ص: ۳۹۔
- (۶۳) نسائی، السنن، ص: ۳۳۹، حدیث نمبر: ۲۳۵۷۔
- (۶۴) نسائی، السنن، ص: ۳۳۹، حدیث نمبر: ۲۳۵۷۔
- (۶۵) بخاری، الجامع الصحیح، ص: ۲۲۵، حدیث نمبر: ۱۳۰۰۔
- (۶۶) بخاری، الجامع الصحیح، ص: ۲۲۵، حدیث نمبر: ۱۳۰۰۔
- (۶۷) ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ (دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۷ء) ۱۳۶/۳۔
- (۶۸) طبری، محمد بن جریر، ابو جعفر، تاریخ الطبری (دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۵ء) ۲۳۵/۲۔
- (۶۹) طبری، تاریخ الطبری، ۲/۲۳۵۔
- (۷۰) شعرائی، مقدمۃ المیزان (مطبوعہ قاہرہ)، ص: ۶۲۔
- (۷۱) ابن القیم الجوزیہ، اعلام الموقعین، ۱/۱۱۷۔
- (۷۲) مسلم، الجامع الصحیح، ص: ۹۸۳، حدیث نمبر: ۵۷۸۳۔
- (۷۳) شاطبی، الاعتصام بالکتاب والسنة، ۱/۸۸۔
- (۷۴) مالک بن انس، مؤطا، ج: ۳، ص: ۸۳۳ تحقیق محمد فواد عبد الباقی۔
- (۷۵) ابن القیم الجوزیہ، اعلام الموقعین، ۱/۶۱-۶۲۔
- (۷۶) ایضاً
- (۷۷) ایضاً
- (۷۸) طبری، تاریخ، ۲/۲۹۳۔
- (۷۹) طبری، تاریخ، ۲/۵۸۹-۵۹۲۔
- (۸۰) امام مالک، مؤطا، ص: ۲۱۷۔
- (۸۱) احمد بن حنبل، المسند، ۱/۷۵۔
- (۸۲) نسائی، السنن، ص: ۳۷۸، حدیث نمبر: ۲۷۳۳۔
- (۸۳) ترمذی، السنن، ص: ۳۵۳، حدیث نمبر: ۱۳۵۸۔

- (۸۴) ابوداؤد، السنن، ص: ۳۳، حدیث نمبر: ۱۶۲۔
- (۸۵) سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص: ۱۶۷۔
- (۸۶) طبری، التاريخ، ۷/۲۔
- (۸۷) طبری، التاريخ، ۷/۲۔
- (۸۸) قاسمی، جمال الدین، قواعد التحدیث، ص: ۲۱۔
- (۸۹) قاسمی، قواعد التحدیث، ص: ۲۳۔
- (۹۰) قاسمی، قواعد التحدیث، ص: ۲۳۔
- (۹۱) ابن عابدین، محمد امین بن عمر، حاشیہ ابن عابدین، ۱/۶۳۔
- (۹۲) الشیخ الفلانی، ایفاظ الهمم، ص: ۵۰۔
- (۹۳) ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ، جامع بیان العلم، ۲/۳۲۔
- (۹۴) ابن حزم، الاحکام فی اصول الاحکام، ۶/۱۳۵۔
- (۹۵) ابن القیم، اعلام الموقعین، ۲/۳۶۱۔
- (۹۶) ابن القیم، اعلام الموقعین، ۲/۳۶۱۔
- (۹۷) ابن القیم، اعلام الموقعین، ۲/۲۹۲۔
- (۹۸) شافعی، محمد بن ادريس، الرسالة (دارالکتب العلمیہ، بیروت)، ص: ۱۲۳، ۱۲۴۔
- (۹۹) شافعی، الام، (دارالوفاء، دار ابن حزم، بیروت، ۲۰۱۱ء)، ۳/۵۹۲۔
- (۱۰۰) مختارات سلفیہ، ص: ۲۹۔
- (۱۰۱) ابن الجوزی، مناقب احمد بن حنبل، ص: ۱۸۲۔
- (۱۰۲) ابن القیم، اعلام الموقعین، ۲/۳۰۲۔
- (۱۰۳) ابن عبدالبر، جامع بیان العلم و فضله، ۲/۱۳۹۔
- (۱۰۴) دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجة الله البالغه (دار المعرفہ، بیروت، ۲۰۰۲ء)، ۱/۳۰۶۔
- (۱۰۵) دہلوی، حجة الله البالغه، ۱/۳۰۶۔
- (۱۰۶) اقبال نامہ، ۱/۳۳۷۔
- (۱۰۷) حوالہ مذکور، ص: ۱۰۲۔
- (۱۰۸) جوہر اقبال، ص: ۳۸ نیز اقبال کامل، ص: ۶۳، ۶۶۔